Course;B.A URDU HONS

PART ;1 PAPER;2

TOPIC;MASNAWI

Prepared by ;NEMAT SHAMA

مثنوی-فن اور روایت

Masnawi Fan aur Rewayat

تمہید:

مثنوی کا لفظ عربی کے ''لفظ مثنیٰ'' سے بنا ہے اور ''مثنیٰ'' کے معنی ''دو'' کے ہیں۔ اصطلاح میں مثبت کے لحاظ سے ایسی صنف سخن اور مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے، لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہو۔ مثنوی میں عموماً لمبے لمبے قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ نثر میں جو کام ایک ناول سے لیا جاتا ہے شاعری میں وہی کام مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں ہی میں کہانی بیان کرتے ہیں۔ مثنوی ایک وسیع صنف سخن ہے اور تاریخی، اخلاقی اور مذہبی موضوعات پر کئی خوبصورت مثنویاں کہی گئیں ہیں۔ مثنوی عموماً جمو بی بحروں میں کہی جاتی ہے اور اس کے لئے چند بحریں مخصوص بھی ہیں اور شعرا عموماً اس کی پاسداری کرتے ہیں لیکن مثنوی میں شعروں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں، کچھ مثنویاں تو کئی کئی ہزار اشعار پر مشتمل ہیں۔ رباعی کی طرح عربی شاعری میں مثنوی کا وجود بھی نہیں تھا اور یہ خاص ایران کی ایجاد ہے اور فارسی شاعری سے ہی ہندوستان میں آئی۔ رودکی کی مثنوی ''کلیلہ و دمنہ'' کا شمار قدیم ترین مثنویوں میں ہوتا ہے۔ اردو میں مثنوی کی ابتداء دکن سے ہوئی اور اس دور میں کثرت سے مثنویاں لکھی گئیں۔

اردو مثنوی ہیئت و اصطلاح:

مثنوی عربی زبان کے لفظ ''مثنیٰ'' سے بنا ہے اور مثنیٰ کے معنی دو کے ہیں۔ یوں مثنوی کے لغوی معنی ''دو دو'' یا ''دو کیا گیا'' یا ''دو اجزا والی چیز'' کے ہیں۔ اصطلاح شاعری میں اس صنف سخن اور مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر کا قافیہ پچھلے شعر کے قافیہ سے مختلف ہو، لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہو۔ چونکہ ہر شعر کا قافیہ بقیہ اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے اور ہر شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اس لئے اسے مثنوی کہا جاتا ہے کہ عرف عام میں اسے مطلعوں کا مجموعہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کو اس مثال سے سمجھئے:

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ

بہت حشمت و جاہ و مال و منال
بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال

کئی بادشاہ اس کو دیتے تھے باج
خطا و ختن سے وہ لیتا خراج

درج بالا اشعار میں بادشاہ، پناہ، منال، حال، باج، خراج، لیکن ایسی صورت بہت کم ہے۔ مثنوی کے متعدد اجزا یا ارکان ہوتے ہیں۔ عام طور پر مثنویاں ان اجزا پر مشتمل ہوتی ہیں۔

حمد، نعت، منقبت، مناجات، مدح بادشاہ یا امرا، تعریف سخن یا تعریف خامہ، سبب تالیف، اصل قصہ، اختتام۔ ہر مثنوی میں کم وبیش یہ اجزا پائے جاتے ہیں، لیکن تمام مثنوی نگاروں نے ان کی پابندی نہیں کی ہے۔ جدید مثنوی نگاروں نے تو ان پابندیوں کو عبور کر لیا ہے۔ مثنوی میں تعداد اشعار کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ عام طور سے مثنویوں میں لمبے لمبے قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ نثر میں جو کام ایک ناول سے لیا جاتا ہے، شاعری میں وہی کام مثنوی سے لیا جاتا ہے، یعنی دونوں ہی میں کہانی بیان کی جاتی ہیں۔ تاریخی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور عشقیہ کہانیاں مثنوی کا خاصہ ہیں۔ امداد امام اثر نے مثنویوں کو موضوع کے اعتبار سے حسب ذیل حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) رزمی مضامین (۲) بزمی مضامین (۳) حکمت آموز مضامین (۴) تصوف آمیز مضامین (۵) متفرق مضامین۔

گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ مثنویاں'' میں مثنویوں کی تقسیم اس انداز سے کی ہے:

(۱) مذہبی مثنویاں (۲) تاریخی مثنویاں (۳) وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے معاشرتی کوائف و آثار کی تفصیل ملتی ہیں (۴) وہ مثنویاں جو ہندوستان کے فطری مظاہر یا موسموں کے بارے میں ہیں۔ (۵) وہ مثنویاں جن میں حب الوطنی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ (۶) ہندوستانی قصے، کہانیاں سے ماخوذ مثنویاں، جن کا تعلق ان کے قصوں سے ہے یا جو ہندوستان کی قدیم روایتوں اور لوک کہانیوں سے ماخوذ ہیں۔

منجملہ یہ کہ مثنوی کے لئے موضوعات کی کوئی قید نہیں یہ متفرق مضامین کے تحت اپنا موضوعاتی دائرہ وسیع کر لیتی ہے۔ اردو میں اس کا اصل مزاج داستان عشق کا بیان ہے۔ عشق کا رنگا رنگ بیان مثنوی کا خاصہ ہے۔ مثنوی ایک منظم داستان ہے جو عشقیہ جذبات پر مبنی ہوتی ہے ساتھ ہی تفکر کے مضامین کے لئے بھی استعمال کی گئی ہے۔ اس موضوعی اور ہیتی وسعت کی بنا پر اردو میں مثنوی کو نہایت مقبولیت حاصل ہے۔

مثنوی ایک بیانیہ صنف شاعری ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی واقعہ/قصہ بیان ہوتا ہے۔ جس میں کردار ہوتے ہیں۔ پلاٹ ہوتا

ہے، کرداروں کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ماحول اور تہذیب ومعاشرت کا عکس پیش کیا جاتا ہے، اور ان سب کو فنکارانہ حسن شاعر کا زبان و بیان عطا کرتا ہے۔ مثنوی میں ربط و تسلسل اور روانی بے حد ضروری ہے۔ جزئیات نگاری کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثنوی پر تنقید کرتے ہوئے عموماً درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

پلاٹ سازی: مثنوی میں بیان کئے گئے واقعات رقصص ایک دوسرے سے پوری طرح مربوط ہوں۔ ان میں کہیں بے ربطی یا بے ترتیبی نظر نہ آئے۔ واقعات میں تسلسل کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔ کہانی میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے پلاٹ میں تہہ داری یا پیچیدگی پیدا کی گئی ہو۔

کرادر نگاری: کہانی مختلف طرح کے کرداروں سے مل کر بنتی ہے۔ یہ کردار مختلف عمر اور پیشوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا جدا انداز، رہن سہن اور گفتگو کا انداز ہوتا ہے۔ ایک اچھی مثنوی میں کرداروں کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں دونوں کے ساتھ ہمارے سامنے آئیں۔ ان پر اپنے عہد اور ماحول کا مکمل اثر دکھائی دے۔ وہ شاعر کے ہاتھ کی کٹھ پتلی نظر نہ آئیں۔

جذبات نگاری: کرداروں کو حقیقی دکھانے کے لئے ان کے جذبات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مثنویوں میں جس طرح مختلف کردار ہوتے ہیں ان کی ظاہری ساخت کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی ساخت، احساسات اور جذبات کو اسی فنی ہنرمندی کے ساتھ بیان کرنا ہوتا ہے۔ مختلف مواقع اور حالات کے اعتبار سے ہر ایک کے جذبات کی عکاسی کی جاتی ہے۔

منظر کشی: مناظر کی منھ بولتی تصویر شاعر کے دقت نظر اور فنی مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ مناظر حقیقت سے جس قدر قریب ہوں گے ان کا اثر قاری کے دل پر اسی قدر گہرا ہوگا۔ منظر کشی کے لئے جزئیات نگاری کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مناظر کو حقیقت سے قریب کرنے یا حقیقی دکھانے کے لئے جذئیات کا خاص خیال رکھنا لازمی ہے تبھی فطری تصویر پیش کی جاسکتی ہے۔

اسلوب وزبان: مثنوی میں اسلوب وزبان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ موضوع اور کردار کے اعتبار سے زبان کا انتخاب کیا جانا چاہئے۔ بزم کے بیانات میں جہاں شیریں لب ولہجہ ضروری ہے وہیں رزم کے بیان میں پرشکوہ الفاظ اور بلند آہنگی کا ہونا ناگزیر ہے۔ پرتکلف زبان و بیان کے مقابلے میں سادہ اور پرکار اسلوب بیان زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دکن میں اردو مثنوی کا آغاز وارتقاء:

دکن میں اردو مثنوی کے ارتقا کو سہولت کی خاطر چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) بہمنی دور (۲) عادل شاہی دور (بیجا پور) (۳) قطب شاہی دور (گولکنڈہ) (۴) مغلیہ دور (اورنگ آباد)۔

بہمنی دور:

اردو مثنوی کا آغاز گرچہ شمالی ہند میں ہوا لیکن اس کو پہلے پہل فروغ دکن میں حاصل ہوا۔ دکن میں اردو مثنوی کا باضابطہ آغاز بہمنی عہد سے ہوتا ہے۔ بہمنی سلطنت کا قیام 1347 میں علاء الدین حسن بہمن نے کیا۔ اس عہد کی سب سے قدیم مثنوی جو ابھی تک دستیاب ہوسکی ہے وہ نظامی بیدری کی مثنوی ''کدم راو پدم راؤ'' ہے۔ اس مثنوی کو جمیل جالبی نے اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مثنوی کا یہ نسخہ ناقص ہے اس کے درمیان اور آخر کے چند اوراق غائب ہیں۔ اس لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ مصنف نے اس کا نام کیا رکھا تھا۔ مثنوی میں چونکہ راجا کدم راؤ اور اس کے وزیر پدم راؤ کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لئے جمیل جالبی نے اس کا نام ''کدم راؤ پدم راؤ'' قرار دیا ہے۔ اس کی سنہ تصنیف کا معاملہ بھی واضح نہیں ہے۔ علاؤالدین بہمن کی مدح میں کہے گئے شعر کی بدولت یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکا ہے۔ اردو زبان کی یہ پہلی مثنوی احمد شاہ ولی بہمنی کے دور حکومت 1421 تا 1438 میں تحریر کی گئی ہے۔ (جمیل جالبی) مثنوی میں سنسکرت و پراکرت اور علاقائی زبانوں کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ اس کے سارے عنوانات فارسی میں ہیں، مثنوی کی فضا اساطیری ہے لیکن قصہ اپنے مزاج کے اعتبار سے ہندوی روایت کا حامل ہے۔ بیان چست اور مربوط ہے لیکن زبان مشکل عسیر الفہم ہے۔ اولین مثنوی کی صورت میں ''کدم راو پدم راؤ'' کی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ اس عہد کی ابتدائی مثنویوں میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور میراں جی شمس العشاق کی صوفیانہ مثنویاں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ اشرف بیابانی کی مثنوی 'نوسرہار' بھی اس عہد کی ایک اہم مثنوی ہے۔ یہ ایک قسم کی رزمیہ مثنوی ہے جسمیں شاعر نے واقعہ کربلا اور شہادت حسین کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کی زبان و بیان سیدھی سادی اور بول چال کی زبان سے قریب ہے۔ اردو مثنوی کی تاریخ میں اس کی لسانی اور تاریخی دونوں اہمیت مسلم ہے۔ اشرف کی دوسری مثنوی 'لازم المبتدی' ہے جس میں مرد و عورت کے مسئلے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اشرف کی اول الذکر مثنوی کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ موخر الذکر کو حاصل نہ ہوسکی۔ بہمنی عہد کی یہ اہم مثنویاں ہیں جو دستیاب ہوسکی ہیں۔

عادل شاہی دور:

بہمنی سلطنت کے انتشار کے بعد قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں نے اردو ادب بالخصوص اردو مثنوی کے فروغ میں اہم حصہ لیا ہے۔ عادل شاہی دور کا آغاز 1490 میں ہوا اس کا بانی یوسف عادل خاں تھا۔ اسے علم و فن اور شعر و ادب کا بے حد شوق تھا اس لئے شعراء کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ عادل شاہیوں کا اقتدار تقریباً دو سو سالوں تک رہا۔ یکے بعد دیگرے 9 بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان تمام نے اردو ادب کو خاص طور پر مثنوی کو خوب فروغ دیا۔ جگت گرو (ابراہیم عادل شاہ ثانی) ''نورس'' اور علی عادل شاہ ثانی کی کلیات ان کی ادبی وابستگی کی نمائندہ مثال ہے۔

بیجاپور کی اولین مثنویوں میں شاہ برہان الدین جانم کی متعدد مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں۔ ارشاد نامہ، حجت البقاء، وصیت الہادی، سکھ سہیلا، منفعت الایمان وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ ارشاد نامہ ان کی سب سے طویل مثنوی ہے۔ جو 990ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی یہ تمام مثنویاں مختصر سی ہیں۔ جانم صوفی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی ایک صوفی بزرگ تھے ان مثنویوں میں ان کا

مطمح نظر رشد و ہدایت اور پند و نصیحت تھا۔ انہوں نے یہ مثنویاں اپنے مریدوں اور معتقدوں کو تصوف کے نکات ذہن نشیں کرانے کے لئے لکھی تھیں۔ اس دور میں عبدلؔ نے اپنے محسن و مربی کے حالات زندگی اور ان کے عہد کی تصویر مثنوی 'ابرہیم نامہ' میں پیش کی ہے۔ یہ مثنوی 1603ء میں لکھی گئی ہے۔ اس میں تقریباً 750 اشعار ہیں۔ اس کی لسانی، ادبی اور تاریخی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔ مقیمی کی مثنوی، چندر بدن مہیار، بیجا پور کی پہلی عشقیہ مثنوی ہے۔ ڈاکٹر زور اور اکبرالدین صدیقی اسے 1035-1048ھ کے درمیانی عرصہ کی تصنیف بتاتے ہیں جبکہ نصیرالدین ہاشمی 1050ھ کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اس میں ایک ہندو شہزادی چندر بدن اور مسلمان تاجرزادہ مہیار کی داستان عشق کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مقیمی نے قصہ کو اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ شروع سے آخر تک قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ اس مثنوی کی نمایاں خصوصیت پلاٹ کا رچاؤ، واقعات کا چناؤ، انداز بیان کی روانی اور عاشقانہ خیالات کا دلنشیں اظہار ہے۔ حسن شوقی نے دو اہم مثنویاں لکھیں۔ فتح نامہ نظام شاہ اور میزبانی نامہ۔ اول الذکر مثنوی تاریخی اعتبار سے اردو کی پہلی رزمیہ مثنوی ہے جس میں شاعر نے حسین نظام شاہ کے دربار، جنگی مناظر اور میدان کارزار کے ایسے پراثر مرقعے پیش کئے ہیں کہ واقعات کی منھ بولتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ ''میزبانی نامہ'' میں شاعر کا اسلوب زیادہ رواں اور پر اثر معلوم ہوتا ہے۔ شاعرانہ اہمیت کے علاوہ اس مثنوی کی تاریخی و ثقافتی اہمیت بھی ہے۔ صنعتی کی مثنوی قصہ بے نظیر میں فارسی اسلوب حاوی ہے اور اس میں صحابیٔ رسول تمیم انصاری سے متعلق داستان رقم کی گئی ہے۔ رستمی نے ایک رزمیہ مثنوی، خاور نامہ' رقم کی ہے۔ یہ مثنوی فارسی شاعر ابن حسام کی فارسی مثنوی خاور نامہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ اس کی زبان اور انداز بیان سادہ اور سلیس ہے۔ اشعار میں روانی ہے اسی دور میں ملک خوشنود کی مثنوی جنگ سنگہار بھی ہے۔ اس میں آٹھ کہانیوں کا ذکر ملتا ہے اور ہر کہانی میں اخلاقی و روحانی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ نصرتی، عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر تھا۔ نصرتی کی مثنویاں دکنی ادب میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس نے رزم اور بزم دونوں میدانوں میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ گلشن عشق اس کی عشقیہ مثنوی ہے۔ علی نامہ اور تاریخ سکندری اس کی رزمیہ مثنویاں ہیں۔ گلشن عشق میں کنور منوہر اور مدمالتی کے عشقیہ قصے کو شعری پیرایہ عطا کیا گیا ہے۔ اس میں نصرتی کی قدرت بیان، محاکات نگاری اور منظر نگاری کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے یہ مثنوی بیجاپوری اسلوب کے نقطہ عروج کی نمائندگی کرتی ہے۔ نصرتی کی دوسری شاہکار مثنوی علی نامہ ہے۔ رزمیہ مثنویوں میں یہ ایک بلند مقام رکھتی ہے۔ اس دور کی آخری مثنویوں میں ہاشمی کی ''یوسف زلیخا'' ہے۔ جو پانچ ہزار ایک سو اشعار پر مشتمل ایک طویل مثنوی ہے۔ اس کا بنیادی وصف اس کی سادگی، شستگی اور سلاست ہے۔ جذبات نگاری کے پراثر نمونے ہاشمی کے شاعرانہ کمال کے مظہر ہیں۔

قطب شاہی دور:

گولکنڈہ کے قطب شاہی سلطنت کا بانی قلی قطب شاہ تھا۔ 1518ھ میں اس نے اس سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان نے تقریباً ایک سو اسی برس تک گولکنڈہ میں حکومت کی محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کو ادبی اعتبار سے خاصی اہمیت حاصل ہے۔ گولکنڈہ میں متعدد مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ اس دور کی ابتدائی مثنوی میں فیروز بیدری کی ''توصیف نامہ'' (پرت نامہ) ہے۔ یہ ایک

مدحیہ مثنوی ہے جس کی زبان میں روانی اور سلاست ہے۔ اس کے اسلوب پر فارسی کا اثر ہے ''لیلی مجنوں'' اور ''یوسف زلیخا'' احمد گجراتی نے قلی قطب شاہ کے عہد میں لکھی فنی اور ادبی اعتبار سے یوسف زلیخا ایک اہم مثنوی ہے۔ کردار نگاری، جذبات نگاری، منظر نگاری ہر ایک میں احمد نے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے ''یوسف زلیخا'' کی داستان کو احمد نے ہی سب سے پہلے دکنی میں منظوم کیا تھا۔

قطب مشتری ((1609 گولکنڈہ کی ایک اہم مثنوی ہے۔ اس مثنوی کو ملا وجہی نے محض بارہ دن میں مکمل کیا۔ اس کا قصہ قلی قطب شاہ اور بھاگمتی کے عشق سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی اپنے دلکش اسلوب اور اعلی تخیل کی بنیاد پر اردو کی ایک اہم کلاسک کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مثنوی کی اہم بات اس کی روانی اور ربط ہے شاعر کی فنکارانہ ہنرمندی مثنوی سے ظاہر ہے۔ غواصی کی تینوں مثنویاں ''مینا ستونتی''، ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' اور ''طوطی نامہ'' اردو کی اہم مثنویاں شمار کی جاتی ہیں۔ ''مینا ستونتی'' ایک قدیم ہندوستانی کہانی ہے۔ جو اس عہد میں کافی مشہور تھی۔ غواصی نے اس مقبول عام قصہ کو دکنی مزاج اور روپ میں ڈھال دیا ہے۔ یہ مثنوی سادگی اور واقعہ نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال 1625ء میں لکھی گئی۔ اس کا قصہ الف لیلیٰ سے ماخوذ ہے، لیکن غواصی نے کمالِ فن سے اسے اپنا بنا لیا ہے۔ بایں ہمہ کہیں بھی اس کے ماخوذ ہونے کا احساس نہیں ہوگا۔ کرداروں کی نفسیات کا بیان اور مناظر قدرت کی عکاسی نہایت عمدہ ہے۔ اظہار بیان کی سادگی کی بدولت یہ دکنی مثنویوں میں اہم مقام رکھتی ہے۔ ''طوطی نامہ'' کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے طوطی نامہ کا قصہ سنسکرت تصنیف 'شکاسب تتی' کے فارسی ترجمہ پر مبنی ہے۔ اس کی سب سے اہم خوبی کے بارے میں جمیل جالبی کا یہ جملہ مناسب حال ہے۔

> ''سلاست وروانی نے اس میں (طوطی نامہ) طرز ادا کی سطح پر ایک نئی روح پھونک دی ہے۔''

قطب شاہی عہد کا ایک اور اہم مثنوی نگار ابن نشاطی ہے۔ ''پھول بن'' اس کی یادگار مثنوی ہے اس مثنوی کی بنیاد فارسی قصہ 'بساتیں' پر رکھی گئی ہے۔ انہیں ابن نشاطی نے نہایت ہی سادہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔ اسلوب کی سادگی اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ادبی اور فنی اعتبار سے یہ مثنوی دکنی ادب میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ اس میں نشاطی نے انتالیس صنعتیں استعمال کی ہیں۔ جو ان کی فنی مہارت پر دال ہے۔ ان کے علاوہ احمد جنیدی کی ماہ پیکر، طبعی کی، بہرام وگل اندام اور فائز کی، رضوان شاہ و روح افزا، قطب شاہی دور کی اہم مثنویوں میں شمار کی جاتی ہے۔ فائز کی مذکورہ مثنوی کے متعلق اشرف رفیع کا قول ہے:

> ''یہ (رضواں شاہ و روح افزا) قطب شاہی عہد کی آخری مثنوی ہے اور دکنی اردو کو ریختہ سے ملانے والی پہلی مثنوی ہے۔''

مغلیہ دور کی دکنی مثنویاں:

1686ء میں دکن مغلیہ سلطنت کے زیر اثر آ گیا۔ قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ادب کی بادشاہی سر پرستی ختم ہو چکی تھی۔ شعراء نے انتشار کے عالم میں مرثیہ کی جانب توجہ دینی شروع کر دی۔ نتیجتاً مغلیہ دور حکومت میں بہ حیثیت مجموعی دکن میں معدودے چند مثنویاں لکھی گئیں۔ سید شاہ حسین ذوقی، محمود بحری، عشرتی، ولی اور سراج اورنگ آبادی اس دور کے مثنوی نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان میں محض سراج ہی ایک ایسے مثنوی نگار ہیں جنہوں نے قابل ذکر مثنویاں لکھی ہیں۔ ولی نے دو مثنویاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ لیکن ان کی ادبی حیثیت اہم نہیں ہیں۔ ان دونوں مثنویوں میں ایک روحانی کیفیت کا مرقع ہے۔ دوسری مثنوی ''در تعریف شہر سورت'' ہے۔ جو شہر سورت کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ ولی کی مثنویاں بیانیہ نہیں ہیں بلکہ مرقعوں کی تصویر کشی ہے۔ ادبی اور فنی اعتبار سے یہ مثنویاں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ سراج اس عہد کے آخری بڑے شاعر تھے ان کی کلیات میں سات مثنویاں ہیں۔ ان کی مثنوی 'بوستان خیال' یقیناً ایک اہم مثنوی ہے۔ یہ مثنوی ایک داستان محبت معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت یہ شاعر کے ذاتی واردات کا مرقع ہے۔ سراج نے اس میں عشق مجازی سے عشق حقیقی تک رسائی کی کوشش کی ہے۔ زبان و بیان کی سادگی، سلاست، مضامین کے ربط اور مجموعی ڈرامائی اثر کے اعتبار سے یہ مثنوی اردو کی بہترین مثنویوں میں شمار کی جاتی ہے۔

(الف) شمالی ہند میں اردو مثنوی کا ارتقاء

شمالی ہند میں اردو مثنوی کے ابتدائی نقوش کے سلسلہ میں امیر خسرو اور بابا فرید الدین شکر گنج کے کلام کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں، لیکن ان کی صحت ہنوز مشکوک ہے اس لئے موجودہ تحقیق کے مطابق مصدقہ طور پر شمالی ہند کی پہلی مثنوی افضل کی ''بکٹ کہانی'' کو مانا جاتا ہے۔ بکٹ کہانی فی الاصل بارہ ماسہ ہے جو ایک بیوی کے ہجر کی داستان ہے۔ شوہر کی یاد میں بیوی کے گزارے ہوئے ہر ایک مہینہ کی کیفیات کا شعری اظہار یہ ہے۔ افضل نے اس مثنوی کو بارہ ماسے کی طرز پر لکھا ہے۔ اس پر ہندی زبان اور اسالیب کا اثر واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند کی دیگر قدیم مثنویوں میں عام طور سے مذہبی مثنویاں ملتی ہیں۔ شیخ عبداللہ امین کی مثنوی فقہ ہندی، محبوب عالم عرف شیخ جیون کا محشر نامہ اور درد نامہ مذہبی موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ ان مثنویوں کی حیثیت ادبی کے بجائے تاریخی ہے۔

شمالی ہند کی قدیم مثنویوں میں جعفر زٹلی کی مثنویاں کافی اہم ہیں۔ اس کی ایک طویل مثنوی 'ظفر نامہ اورنگ زیب شاہ عالم گیر بادشاہ غازی' ہے۔ جس میں اورنگ زیب کی دکنی فتوحات کا ذکر ہے۔ دوسری مختصر مثنویوں میں طوطی نامہ، در صفت پیری، مرثیہ اورنگ زیب اور سیس نامہ قابل ذکر ہیں۔ زٹلی کے کلام کی سب سے بڑی خوبی اس کا طنزیہ اسلوب ہے۔ سیاسی، سماجی انتشار، معاشی پریشانیوں اور بادشاہوں کی نا اہلی پر اس کے اشعار طنز کے تیر چبھوتے ہیں۔ فائز شمالی ہند کا صاحب دیوان شاعر ہے۔ اس کی سولہ مثنویاں ہیں یہ عاشق مزاج اور حسن پرست انسان تھے۔ انہوں نے حسن سراپا کو اپنی مثنویوں کا حصہ

بنایا ہے۔مثنوی در وصف بھنگیڑن، در وصف کاچھن،تعریف جوگن،تعریف تنبولن مالن،تعریف پنگھٹ اور تعریف ہولی وغیرہ اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ یہ مختصر مثنویاں وضاحتی انداز کی ہیں جن میں مقامی رنگ دکھائی دیتا ہے۔فائز کے معاصرین میں آبرو اور حاتم نے بھی متعدد مثنویاں لکھی ہیں۔ان مثنویوں سے اس عہد کی معاشرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔حاتم کے دیوان زادہ میں ان کی پانچ مثنویاں ملتی ہیں۔مثنوی سراپا، ساقی نامہ، وصف قہوہ، وصف تمبا کو وحقہ اور مثنوی بہاریہ مسمی بہ بزم عشرت۔

(ب) اردو مثنوی کا زریں دور:

اردو مثنوی عہد میر تک آتے آتے شمالی ہند میں اپنے پیر جما چکی تھی۔میر وسودا نے شمالی ہند میں اردو مثنوی کی روایت کو مزید استحکام بخشا۔میر حسن اور دیا شنکر نسیم نے مثنوی کو بام عروج پر پہنچایا۔میر نے کل 38 اور سودا نے 24 مثنویاں لکھیں اور مثنوی کے سفر کو آگے بڑھایا۔سودا و میر کے یہاں مثنوی کا موضوعاتی دائرہ کافی وسیع ہو گیا تھا۔سودا نے مثنوی کو ہجر، اخلاق، ادبی، تنقید، موسم، خط و کتابت، مدح وغیرہ کا اظہاریہ بنایا۔میر نے جانوروں کے احوال، گھر کی حالت، شکار نامہ، بیان مرغ بازاں، بے ثباتی دنیا، جشن شادی، ہجو و مدح وغیرہ کے موضوعات پر لکھ کر مثنوی کے موضوعات کو وسعت دی ہے۔سودا نے ہجویہ اور مدحیہ مثنویوں میں اپنا زور قلم دکھایا ہے۔ان کی عشقیہ مثنوی، عشق شیشہ گریہ زرگر پسران کی سب سے طویل مثنوی ہے جو مثنوی کے روایتی انداز پر لکھی گئی ہے۔سودا کی مثنویوں پر قصیدہ کا رنگ غالب ہے یہاں مبالغہ کا اثر اکثر و بیشتر دکھائی دیتا ہے۔ان کی ہجویہ مثنویاں طنز و استہزاء اور مزاح و مضحکہ کا بے نظیر مرقع ہیں۔

میر نے مثنوی کو سودا سے دو قدم آگے بڑھایا۔انہوں نے محض اشخاص کی ہجو نہیں کی بلکہ مکان، برسات، جھوٹ اور دنیا کی بھی قلعی کھولی ہے۔ان ہجویات میں سے کئی کی سماجی اہمیت ہے اور کئی ان کے ذاتی مسائل پر مبنی ہے۔عشق میر کی شاعری کا محور ہے۔خواہ غزل ہو یا مثنوی ہر ایک جا ہمیں عشق کی رنگا رنگی دکھائی دیتی ہے۔دریائے عشق اور شعلۂ عشق ان کی شاہکار مثنویاں ہیں۔دریائے عشق کی ابتدا میں میر نے تصور عشق پر روشنی ڈالا ہے۔ان عشقیہ مثنویوں کو اس لئے بھی اہمیت حاصل ہے کہ ان میں میر نے تصور عشق پر روشنی ڈالی ہے۔ان عشقیہ مثنویوں کو اس لئے بھی اہمیت حاصل ہے کہ ان میں میر کی شخصیت اور انکی سیرت کھل کر سامنے آتی ہے۔ان کے علاوہ جانوروں کتا، بلی، بکری، بندر کا بچہ اور اجگر پر مبنی مثنویاں بھی اہم ہیں۔میر کی مثنویوں میں ان کی ذات اور ماحول کی بہترین عکاسی ملتی ہے۔میر کی زندگی کے مطالعہ کے لئے ان کی مثنویوں میں کافی مواد موجود ہے۔میر کی مثنویاں اپنے زمانے میں اتنی مقبول ہوئیں کہ متعدد شعرا نے ان کا تتبع کیا ہے۔راسخ عظیم آبادی، قائم چاند پوری اور مصحفی نے اپنی مثنویوں میں میر کی عشقیہ مثنوی دریائے عشق کا اثر قبول کیا ہے۔مصحفی کی تینوں مثنویوں، جذبۂ عشق، شعلہ عشق اور گلزار شہادت کا انجام میر کے رنگ میں ہے لیکن مکمل مطابقت محض بحر المحبت میں ملتی ہے۔میر کی عشقیہ مثنویاں اردو کا اہم سرمایہ ہیں۔

میر کے بعد شمالی ہند میں ہی نہیں اردو مثنوی کی تاریخ میں وہ نام سامنے آتے ہیں جنہوں نے اردو مثنوی کے فن کو عروج بخشا

ہے۔ان میں سب سے پہلا نام میر حسن اور میر اثر کا ہے۔ بعد میں دیا شنکر نسیم اور مرزا شوق کا نام آتا ہے۔ میر حسن کا اردو مثنوی میں وہی مقام ہے جو اردو غزل میں میر کا ہے۔ میر حسن نے فن مثنوی کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ میر حسن نے چھوٹی، بڑی کل بارہ مثنویاں لکھیں۔ مثنوی در وصف قصر جواہر، رموز العارفین، گلزار ارم اور سحر البیان ان میں نمائندہ ہیں۔ سحر البیان اردو ادب کی ایک شاہکار مثنوی ہے۔ اس نے نہ صرف میر حسن کو زندہ کر دیا ہے بلکہ اردو مثنوی کو لازوال بنا دیا ہے۔ میر حسن نے یہ مثنوی اپنی عمر کے آخری حصہ میں 85-1784 میں مکمل کی ہے جو 2179 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک عمدہ مثنوی کی ساری خصوصیات موجود ہیں۔ منظر نگاری، جزئیات نگاری، جذبات نگاری اور کردار نگاری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ زبان و بیان کی لطافتوں کی وجہ سے اردو مثنویوں میں اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

میر حسن کے ساتھ ہی میر اثر کی مثنوی کا چرچا بھی عام ہے۔ میر اثر خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی مثنوی خواب وخیال اردو کی ایک اہم مثنوی ہے۔ خواب وخیال میں کوئی واضح قصہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں ہجر کا درد، وصال کی خواہش، راز و نیاز کی باتیں اور عشق ومحبت کی کیفیات کا بیان ہے۔ اثر کے بیان میں سرساری، والہانہ پن کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان کیفیات وجذبات سے مل کر ہی یہ مثنوی مکمل ہوتی ہے۔ اس میں کئی فنی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ خواب وخیال کے بارے میں مولوی عبدالحق کا یہ جملہ قابل ذکر ہے۔ ''شاید ہی کوئی مثنوی زبان کی سلاست اور روانی، فصاحت وشیرینی، روزمرہ کی صفائی، قافیوں کی نشست اور مصرعوں کی برجستگی، زنانے اور مردانے محاوروں کے بے تکلف استعمال میں مثنوی 'خواب وخیال' کا مقابلہ کر سکتی ہے۔''

پنڈت دیا شنکر نسیم حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ اردو کے اعلیٰ مثنوی نگار تھے۔ 1838 میں انہوں نے گلزار نسیم کے نام سے ایک لازوال مثنوی خلق کی۔ یہ مثنوی لکھنؤ کی سب سے نمائندہ اور اردو کی چند اہم مثنویوں میں سے ایک ہے۔ یہ مثنوی مکمل طور پر دبستان لکھنو کا اظہار یہ ہے۔ اختصار اس کا سب سے بڑا وصف ہے۔ پلاٹ گٹھا ہوا ہے۔ ادبی اور فنی خوبیوں سے پرے ہے۔ لکھنوی زبان کا عمدہ نمونہ ہے۔ رعایت لفظی کو نسیم نے انتہائی خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ صنائع و بدائع کا دلکش استعمال مثنوی کی خوبیاں ہیں۔ جذبات نگاری اور منظر نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ مکالمے بھی نہایت برجستہ ہیں۔ مختصر یہ کہ گلزار نسیم لکھنوی مذاق کی عمدہ عکاسی ہے۔ جس کے اسلوب و بیان کی بعد میں اہل لکھنؤ نے پیروی کی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مثنوی کے خصائص لکھنوی مثنوی کے خصائص قرار پائے۔

نواب مرزا شوق دبستان لکھنؤ کے ایک اہم مثنوی نگار تھے۔ ان کی یادگار تین مثنویاں فریب عشق، بہار عشق اور زہر عشق ہیں۔ ان میں زہر عشق اردو کی سب سے اہم مثنوی ہے جسے سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ شوق کی مثنویوں کا موضوع عشقیہ بیان ہے لیکن یہ عشق میر کا عشق نہیں۔ اس میں ترفع اور رکھ رکھاؤ نہیں یہ حیوانی اور نفسیاتی خواہشات پر مبنی ہے۔ شوق کا عشق بے باکی اور بے حجابی کا بیانیہ خلق کرتا ہے۔ زہر عشق شوق کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس مثنوی کی شہرت کا دارومدار اس کی جذبات

نگاری ،لکھنوی تہذیب کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ زبان اور اسلوب کی سادگی پر ہے۔ یہ مثنوی شوق کی دیگر مثنویوں سے کافی الگ ہے۔اس کا قصہ آپ بیتی کے طور پر لکھا گیا ہے۔اس میں ہوا و ہوس کے بجائے عشق کی الم ناک داستان رقم کی گئی ہے۔شوق کی یہ مثنوی اتنی مشہور ہوئی کہ تھیٹریکل کمپنیوں نے اسے ڈرامے کی شکل میں اسٹیج پر پیش کیا ہے۔لیکن اس کے درد انگیز اثرات سے حفاظت کی خاطر حکومت نے اس کے اسٹیج کرنے یا شائع کرنے پر پابندی لگادی۔

اردو مثنوی کا جدید دور:

1857ء کے بعد جہاں ادب کا منظر نامہ بدلا وہیں مثنوی کے موضوعات وفن میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں۔ واجد علی شاہ، امیر مینائی، امیر اللہ تسلیم، داغ دہلوی اور شوق قدوائی اس آخری نسل میں سے تھے جنہوں نے مثنوی کے روایتی رنگ کو برقرار رکھا لیکن جدید دور کی انگریزی رمق نے مثنوی میں واضح تبدیلیاں پیدا کردی۔محمد حسین آزاد نے انجمن پنجاب کے تحت جدید مثنوی کی بنیاد ڈالی۔ اپنے اس جدید عہد میں مثنوی حقیقت سے قریب نظر آتی ہے۔اب مافوق الفطرت قصوں اور خیالی کہانیوں کا دور قصہ پارنیہ ہوگیا۔مثنوی میں آنکھوں دیکھی حقیقتیں قلمبند کی جانے لگیں۔قدیم مثنوی میں عشق محور تھا جدید مثنوی میں عشق کا موضوع مہمل قرار دیا گیا۔سماجی ،قومی ، سیاسی اور معاشی موضوعات راہ پانے لگے۔حقیقت نگاری جدید مثنوی کا امتیازی وصف ہوگیا۔سیاسی و سماجی اصلاح کا رجحان مثنویوں میں پیش کیا جانے لگا۔موضوعات کی کوئی تخصیص نہ رہی۔

ماحصل:

آزاد، حالی ،شبلی اور اقبال نے مثنوی کو جدید عہد سے ہم آہنگ کیا۔حالی و آزاد نے حقیقت نگاری پر زور دیتے ہوئے جب وطن کا موضوع پیش کیا۔امن کی اہمیت کو بیان کیا، اخلاقیات کا درس دیا، اصلاح نسواں کی جانب توجہ دلائی۔حالی نے مناجات بیوہ ، برکھارت، نشاط امید لکھی۔ مناجات بیوہ اور چپ کی داد میں حالی طبقہ نسواں کی آواز بنے نظر آتے ہیں۔ ان کی غم گساری کرتے ہیں ان کی ان مثنویوں سے اصلاح نسواں کرر جحان واضح ہوتا ہے۔آزاد نے شب قدر، حب الوطنی ،خواب امن لکھ۔شبلی نے صبح امید رقم کی جس میں سرسید اور علی گڑھ تحریک کو سراہا۔اقبال نے ساقی نامہ اور والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھا۔اقبال نے اپنی مثنویوں میں بھی اپنے فلسفیانہ خیالات کی ترسیل کی ہے۔ اس توسط سے اردو مثنوی کو نئی جہت اور معنوی وسعتوں سے آشنا کیا ہے۔بعد میں ترقی پسندوں نے بھی حالی اور آزاد کی طرح سیاسی وسماجی اصلاح کو موضوع بحث بنایا۔ترقی پسندوں میں عام طور پر نظم کا اثر ہی غالب رہا۔اس لئے مثنوی کے نمونے یہاں بہت کم ملتے ہیں۔علی سردار جعفری, کیفی اعظمی اور جانثار اختر نے محض چند مثنویاں لکھی ہیں۔جن کا مزاج سیاسی ہے ان میں حب الوطنی کا جذبہ اور انسان دوستی کی رمق کارفرما نظر آتی ہے۔سردار جعفری کی مثنوی جمہور، کیفی کی خانہ جنگی اور جانثار اختر کا امن نامہ اردو مثنوی میں ترقی پسندوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ان تینوں مثنویوں میں سماجی ظلم واستحصال، عالمی جبر واستبداد، انسانیت سوز واقعات اور خوں ریزیوں پر اظہار افسوس دکھائی دیتا ہے۔

مشق کے لئے سوالات:

(۱) مثنوی کی تعریف کیجئے اوراس کے فن پر روشنی ڈالئے۔

(۲) مثنوی کے اجزائے ترکیبی کی وضاحت کیجئے۔

(۳) اردو مثنوی کے عہد زریں کا ایک اجمالی جائزہ لیجئے۔

(۴) شمالی ہند کی دو اہم مثنویوں کا تعارف پیش کیجئے۔

(۵) دکن میں اردو مثنوی نگاری سے اپنی واقفیت ظاہر کیجئے۔

مشکل الفاظ کے معنی:

الفاظ		معنی
معرکہ	:	میدان جنگ
طرب	:	لڑائی جنگ
وسعت	:	گنجائش سمائی چوڑائی کشادگی بھلاؤ
عموما	:	عام ہونا
ظرف	:	حوصلہ
قصص	:	قصہ کی جمع کہانیاں
انتشار	:	بدامنی پھیلانا، خلفشار
مقین	:	مفرر کیا ہوا کسی کو کام پر لگایا ہوا
رنجان	:	توجہ

مزید مطالعہ کے لئے کتب:

(۱) اردو مثنوی کا ارتقاء : عبدالقادر سروری

(۲) اردو کی تین مثنویاں : خان رشید

(۳) شمالی ہند کی مثنویاں : گیان چند جین

(۴) تاریخ ادب اردو : وہاب اشرفی